DAR-UL-IFTA
Jamia-tur-Rasheed, Karachi
Pakistan, 75950

فتویٰ نمبر:	53126	سائل:	زاہد گل	مجیب:	ناصر امین
مفتی:	سعید احمد حسن	مفتی:	حسین خلیل	تاریخ:	07-12-2014
کتاب:	الهبة	باب:			

زندگی میں تقسیم جائیداد کی ایک مفصل صورت کا حکم

سوال: ایک شخص جس کا نام زید ہے اس نے اپنی زندگی میں دو شادیاں کیں پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کی۔ سابقہ بیوی سے چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ زید ایک سرکاری اسکول سے ریٹائرڈ ہے اور ریٹائرمنٹ سے تقریباً ۳۵لاکھ روپے ملے اور ماہانہ پینشن ۴۵ ہزار روپے ملتی ہے اور کچھ رقم پہلے سے بینک میں رکھی تھی۔ ٹوٹل نقد رقم تقریباً ۵۵ لاکھ روپے جمع ہے۔ اور کراچی میں ایک مکان ہے جس کی مالیت ۲۵ لاکھ روپے ہے اور گاؤں میں بھی ایک مکان ہے جس کی لاگت تقریباً ۸ لاکھ ہے اور گاؤں کے ساتھ ایک شہر ہے وہاں ایک کنال زمین ہے جس کی مالیت ۲ لاکھ ہے اور اس کے ساتھ بارانی زمین بھی ہے جو کہ ۸ کنال ہے۔

۱۔ سابقہ اولاد کو گاؤں کی جائیداد سے آدھی کنال سے بھی کم جگہ دی اور باقی تمام جائیداد نقد رقم سے ۳۰ ہزار روپے فی کس دیے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں دیا۔ اور زید نے سابقہ اولاد سے کہا کہ یہی تمہارا حق بنتا ہے۔ باقی جتنی جائیداد اور نقد رقم ہے وہ دوسری بیوی اور اُن کے بیٹوں کے نام ہے۔

۲۔ سوال یہ ہے کہ زید نے سابقہ اولاد کے ساتھ انصاف کیا ہے یا نہیں؟ کیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہوگا یا نہیں؟

۳۔ کیا سابقہ اولاد کا حق مار کے وہ رقم کسی خیرات یا زکوۃ یا فلاحی کام میں لگا سکتا ہے؟ اور یہ ثواب کا مستحق ہوگا؟

۴۔ دوسری بیوی کی دو بیٹیوں کی شادیاں کیں، لاکھوں کا جہیز دیا اور شادی کے بعد بھی مالی تعاون بھرپور طریقے سے ہو رہا ہے حالانکہ دونوں داماد اچھے خاصے مالدار ہیں اور سابقہ بیٹیاں اور بیٹے مالی اعتبار سے کمزور ہیں لیکن والد کے تعاون سے محروم ہیں۔

۵۔ کیا زید اولاد کو حق نہ دے کر ہر سال عمرہ اور حج پر جا سکتا ہے کیا اس کا حج اور عمرہ قبول ہے؟ سابقہ اولاد کا کہنا ہے کہ ہم قیامت کے دن بھی اپنا حق معاف نہیں کریںگے اور اپنا حق لیں گے۔

ان سب صورتوں میں کیا زید قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہوگا یا نہیں؟ اولاد کا کہنا ہے کہ اللہ کی رضا کے لئے اور زید کو قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے یہ فتویٰ پوچھا گیا تاکہ زید انصاف کر سکے اور قیامت کے دن بری الذمہ ہو جائے۔

برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب عنایت فرمائیں۔

(سائل: زاہد گل درجہ سابعہ جامعۃ الرشید کراچی)

+9221-1111-68384
ask@almuftionline.com
www.almuftionline.com
Phase 1, Sector: 4, Ahsanabad, Karachi, Pakistan

الجواب باسم ملهم الصواب

زندگی میں کسی کی جائیداد میں اس کی اولاد اور ورثہ کا حصہ نہیں ہوتا، لیکن زندگی میں اگر اپنی اولاد کے درمیان مال و جائیداد تقسیم کرنا ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اولاد میں سے کسی کو مکمل طور پر محروم کرنا یا نقصان پہچانے کی غرض سے کم دینا مکروہ تحریمی اور گناہ ہے، البتہ کسی ضرورت اور معقول بنیاد پر ایک کو زیادہ بھی دیا جا سکتا ہے جیسے کوئی زیادہ حاجت مند ہو، دیندار یا خدمت گذار ہو وغیرہ، لیکن اگر کوئی وجہ ترجیح نہ ہو تو سب کو برابر حصہ دینا چاہیے۔

مذکورہ تمہید کے بعد سوالات کاجواب درج ذیل ہے:

۱۔زیدکے صرف یہ کہنے سے"باقی جتنی جائیداد اور نقد رقم ہے وہ دوسری بیوی اوران کے بیٹوں کے نام ہے" دوسری بیوی اور بیٹےاس کےمالک نہیں بنے،بلکہ ساری جائیداد زید ہی کی ملکیت ہے اورجب تک اپنا قبضہ ختم کرکےہرایک کا حصہ الگ کر کے اس کو مالکانہ حقوق کے ساتھ قبضہ نہیں دے گاملکیت اس کی اپنی رہے گی اور اس کی وفات کے بعد اس کی مملوکہ تمام جائیداد میں سے دونوں بیویوں کی اولاد کو میراث کے اصولوں کے مطابق حصہ ملے گا۔

۲۔اگر نقصان پہنچانے کی غرض سے زید نے سابقہ اولاد کو کم حصہ دیا تو اس نے ناانصافی کی، جس کا گناہ اس کو ہو گا اور اگر نقصان پہنچانا مقصد نہیں تھا اور کوئی وجہ ترجیح بھی نہیں تو کسی کو کم دینا مکروہ تنزیہی ہے، گناہ نہیں۔

۳ ۔اگر اولاد بے دین اور فاسق ہو تو اس کو ضرورت کے بقدر دے کر بقیہ مال خیر کے کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں اور اگر اولاد دیندار ہو تو اپنا مال اولاد کو دینا بہتر ہے کہ اس میں صدقہ اور صلہ رحمی دونوں کا ثواب ہے۔

۴۔صرف نابالغ اولاد اور غیر شادی شدہ بیٹیوں کا نان نفقہ باپ کےذمہ لازم ہے، اس کے علاوہ اولاد کی شادیوں میں اخراجات کرنا اس کی طرف سے تبرع اور احسان ہے، البتہ اولاد کےاحسان اور تحائف میں بھی برابری ہونی چاہیے۔

۵۔زندگی میں چونکہ باپ کے مال میں اولاد کاحصہ نہیں ہوتا، لہذا مذکورہ صورت میں جب مال زید کا ہے تو وہ اپنےمال سےحج و عمرہ کرسکتا ہے اور اس کا اسے ثواب بھی ملے گا۔

فی الهندية(391/4)

ولو وهب رجل شيئا لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض في ذلك لا رواية لهذا في الأصل عن أصحابنا، وروي عن أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - أنه لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وإن كانا سواء يكره، وروى المعلى عن أبي يوسف - رحمه الله تعالى - أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم يعطي الابنة مثل ما يعطي للابن، وعليه الفتوى، هكذا في فتاوى قاضي خان، وهو المختار، كذا في الظهيرية.

رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء ويكون آثما فيما صنع، كذا في فتاوى قاضي خان.

وإن كان في ولده فاسق لا ينبغي أن يعطيه أكثر من قوته كي لا يصير معيناله في المعصية، كذا في خزانة المفتين.

ولو كان ولده فاسقا وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه، كذا في الخلاصة.

ولو كان الولد مشتغلا بالعلم لا بالكسب فلا بأس بأن يفضله على غيره، كذا في الملتقط.

فی الدر المختار (696/5):

وفي الخانية: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا، إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصده فسوى بينهم يعطي البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى، ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز وأثم.

قال فی الرد:

(قوله وعليه الفتوى) أي على قول أبي يوسف: من أن التنصيف بين الذكر والأنثى أفضل من التثليث الذي هو قول محمد رملي.

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم